مولانا مفتی عبدالغنی صاحب (بنوں)

بسلسلہ پچاس سالہ تقریبات آزادی پاکستان

سلسلہ نمبر ۴

جنگ آزادی میں علماء حق کا کردار

(قسط نمبر ۲)

ایک انگریز افسر نے لکھا ہے : انبالہ سے دہلی تک ہزاروں بے قصور دیہاتیوں کو انگریزوں نے مار ڈالا ، ان کے بدنوں کو سنگینوں سے چھیدا جاتا تھا ۔ ہندوؤں کے منہ میں گائے کا گوشت ٹھونسا جاتا تھا ۔ سرٹامن نے لکھا ہے : دہلی کے کچھ مسلمانوں کو ننگا کرکے اور زمین سے باندھ کر سرے سے پاؤں تک جلتے ہوئے تانبے کے ٹکڑوں سے اچھی طرح داغ دیا جاتا اور مسلمانوں کو سور کی کھالوں میں سی دیا جاتا ۔ خواجہ نظامی رقمطراز ہیں : ہزاروں عورتیں فوج کے خوف سے کنویں میں کود پڑیں ۔ یہاں تک کہ پانی سے اور اوپر ہوگئیں ۔ جب زندہ عورتوں کو کنویں سے نکالا چاہا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں گولی سے مار دو نکالو نہیں ۔ ہم شریفوں کی بہو بیٹیاں ہیں ۔ ہماری عزت خراب نہ کرو ۔ بعض لوگوں نے اپنی عورتوں کو قتل کرکے خودکشی کرلی ۔

ایک انگریز افسر لکھتا ہے : کہ شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمے میں آیا اور سلام کرکے پوچھنے لگا ۔ آپ غالباً یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ قیدیوں کیساتھ کیا سلوک کیا گیا ؟ میں فوراً لپک کر قیدیوں کے خیمے میں گیا ، جہاں ان بدبخت مسلمانوں کو عالم نزع میں بے حال دیکھا ۔ یعنی آنکھیں ان کی بندھی ہوئی تھیں اور برہنہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور سر سے لیکر پاؤں تک تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا گیا ۔ اس روح فرسا نظارہ کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دینا ان کے حق میں مناسب سمجھا ۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے : کہ بدنصیب قیدی کے جلتے ہوئے گوشت سے مکروہ بدبو نکل کر باہر کی فضا کو مسموم بنارہی تھی ۔ انیسویں صدی میں جب کہ تہذیب اور شائستگی پر ناز کیا جاتا تھا ۔ ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے ۔ ایک انسان نہایت وحشیانہ طریق سے زندہ آگ میں جلایا جارہا ہے ۔ سکھ اور یورپین نہایت اطمینان اور متانت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بناکر اردگرد کھڑے دیکھ رہے ہیں گویا وہ ایک تفریح کا سامان تھا ۔

ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر مسٹر ڈی لین نے لکھا ہے : زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا

یا پھانسی سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا یا ہندوستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کیساتھ بدفعلی کریں۔ ایسی مکروہ اور منتقمانہ حرکات کی دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ہماری گردنیں شرم وندامت سے جھک جاتی ہیں اور یقیناً ایسے حرکات عیسائیت کے نام پر بدنما دھبے ہیں، جن کا کفارہ لازمی طور پر ہمیں بھی ادا کرنا پڑے گا۔

نظام تعلیم کے بارے میں انگریزوں کی پالیسی:۔

لارڈ میکالے لکھتا ہے: کہ ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو ہم میں اور ہمارے کروڑوں رعایا سے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔

مسٹر کیرہارڈی لکھتا ہے: جس جگہ ہم نے بنگال کا پرانا نظام توڑدیا وہاں سے گاؤں کا اسکول غائب ہوگیا ہے۔ کپتان الگزنڈر ہملٹن اپنے سفر نامے میں اورنگزیب عالمگیر کے دور حکومت کی حالت بتاتے ہوئے لکھتا ہے۔ صرف شہر ٹھٹھ سندھ میں چار سو کالج مختلف علوم وفنون کے تھے۔

مقریزی کتاب الخطط میں لکھتا ہے: کہ بزمانہ تغلق صرف شہر دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے۔ مسٹر کیرہارڈی میکس مولر کے حوالہ سے لکھتا ہے: انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے اسی طرح چار سو آدمیوں کی آبادی کیلئے ایک مدرسہ کا اوسط ہوتا تھا۔

ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے: کہ ہمارے انگلو انڈین سکولوں سے کوئی نوجوان خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے اباؤ واجداد کے مذہب سے انکار نہ جانتا ہو۔ ایشیا کے پھلنے پھولنے والے مذاہب جب مغربی سائنس بستہ حقائق کے مقابلے میں آتے ہیں تو سوکھ کر لکڑی ہوجاتے ہیں۔

سرڈی ہملٹن نے کہا ہے: کہ اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان اس طرح چھوڑنا پڑا جس طرح رومن نے انگلستان چھوڑا تھا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ جائیں گے جسمیں نہ تعلیم ہوگی نہ حفظان صحت کا سامان ہوگا اور نہ ہی دولت ہوگی۔ جب انگریزی دور اقتدار غیر منقسم ہندوستان میں آیا اور انگریزوں کا نظام تعلیم آیا، تو اکبر نے وہ شعر کہا جس سے بہتر شعر آج تک لادینی نظام تعلیم اور اس کے دوررس نتائج کے متعلق کسی نے نہیں کہا ہے۔ مغربی نظام تعلیم کے اثرات کے بارے میں اس سے زیادہ سادہ الفاظ میں اس سے زیادہ گہری حقیقت نہیں بیان کی گئی۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا کہ فرعون نے اپنی غباوت اور کند ذہنی سے خواہ مخواہ اپنے

خلاف اتنا پروپیگنڈا کرایا اور اپنے لئے اتنی مشکلات پیدا کیں کہ آج تک صحف سماوی تک میں وہ علامت ہے جبرواستبداد کی اگر وہ نظام تعلیم بدل دیتا تو بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی۔

سرکاری ملازمتوں کے بارے میں انگریز کی پالیسی:-

جب سے انگریزی راج شروع ہوا ، اس وقت سے ہندوستانیوں کی قومی تذلیل ، توہین ، نسلی اور باطنی امتیاز ، رنگت اور وطنیت کا تذلیل کرنے والا تفرقہ شروع ہوا جو کہ طاقت اور قوت کیساتھ ساتھ بڑھتا ہوا ۔ انتہائی درجہ کو پہنچ گیا ۔ باوجود یکے انگریز پردیس سے بطور مہمان تجارت کیلئے آئے تھے اور شہنشہان ہندوستان کے رحم وکرم سے تجارت کی اجازت حاصل کرکے فرمانات شاہی کے سایہ میں روزافزوں ترقی کرتے رہے اور پھر شہنشہان اسلام پر ڈورے ڈال کر دیوانی (ریونیو) کی ملازمت حاصل کرکے انتظامی امور میں دخیل ہوئے اور پھر غداریاں کرتے ہوئے تمام نظام سلطنت کو رفتہ رفتہ ملیامیٹ کرکے تقریباً سو برس ۱۷۶۵ء سے لیکر ۱۸۶۴ء تک میں ہندوستان کے بادشاہ بن گئے ۔ ۱۷۶۵ء کے کچھ عرصہ بعد سے ہی ہندوستانی افسروں کو آہستہ آہستہ خلاف معاہدہ نکالنا شروع کیا اور جن عہدوں کو کوئی انگریز قبول کر سکتا تھا ان پر انگریزوں کو مقرر کیا۔

سرجان شور کہتا ہے کہ ۱۸۳۳ء میں انگریزی قانون اور نظام پر بحث کرتے ہوئے ہر وہ عہدہ عزت اور منصب جس کو قبول کرنے کیلئے ادنیٰ انگریز کو امادہ کیا جاسکتا ہے ۔ ہندوستانیوں کیلئے بند کردیا گیا ۔ اور جو چھوٹے عہدے تھے اور تنخواہوں کی ان میں زیادہ مقدار نہیں ہوسکتی تھی ان سے بھی مسلمانوں کو نکال کر ہندوؤں کو مقرر کیا ۔ یورپینوں اور انگلو انڈینوں کو ان کے عہدوں پر بہ نسبت سابق کئی کئی گنازیادہ تنخواہیں دیں ۔ فوجی عہدوں کے ذمہ دار مناصب سے ہندوستانیوں کو بالکل خارج کردیا ۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے : مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بند ہے ۔ غیرسرکاری ذرائع زندگی میں بھی انہیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں ۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں : جتنے ہندوستانی سول سروس میں داخل ہوتے ہیں یا ہائی کورٹ کے جج بنتے ہیں ۔ ان میں سے ایک بھی مسلمان نہیں ۔ حالانکہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو اس سے کچھ عرصہ بعد تک بھی حکومت کے تمام کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سرانجام پاتے تھے ۔ پھر لکھتے ہیں : کہ ہندوستان میں انگریز عملداری کی ایک خصوصیت یہ ہی ہے کہ ہندوستانی ابتداء سے بڑے عہدوں سے قطعاً خارج کردیئے گئے قوانین بنانے میں اور ملک کے لوگوں کے درمیان انصاف کرنے میں انکا کوئی اختیار نہیں ۔

ہنٹر ایک اور جگہ میں لکھتا ہے : ہم نے مسلمان امراء کو فوج میں داخل نہیں کیا ، کیونکہ

ہمیں یقین تھا کہ ہماری عافیت ان کو بیدخل کردینے ہی میں ہے۔ ہم نے ان کو دیوانی کی منفعت بخش محکمہ سے اس لیے خارج کردیا کہ ایسا کرنا حکومت اور عوام کی بہتری کیلئے ازحد ضروری تھا۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے: کہ دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اور کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپراسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے والے کے سوا کوئی اور ملازمت حاصل کرسکیں۔ مذکورہ بیانات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستانیوں کو محسوس کرنا چاہیئے کہ اس کی غلامی کا منشاء برطانوی شہنشاہیت اور اس کا ظلم واستبداد ہے۔ جو جذبۂ استعباد واستبداد فرعون میں موجود تھا وہی جذبہ فرنگی سامراج برطانیہ سے لیکر آیا ہے۔ فرعون نے اگر ملک مصر کی سلطنت پر مغرور ہوکر خدائی کا دعوی کیا اور خدائے برتر سے مقابلہ کی ٹھانی تو آج کی یورپین مغرور بدمست قومیں بھی اسی فکر اور جذبے سے خدائے حقیقی کے مقابلہ پر پڑی ہوئی ہیں۔

بالشویک کے ہاتھ میں طاقت آئی تو انہوں نے باالفاظ خود اپنی سلطنت میں خدا کا داخلہ ممنوع قرار دیئے جانے کا اعلان کیا۔ جرمنوں کے ہاتھ میں خدا کی بخشی ہوئی حکومت آئی تو انہوں نے وطنی تعصب کے جذبہ سے کہا: کہ اگر خدا جرمنی ہوتا تو جرمن قوم اسے مان سکتی تھی۔ برطانیہ کے ہاتھ میں وسیع وعریض ملک آیا تو اس کے بعض ذمہ داریوں نے اپنی سلطنت کے طویل وعریض رقبے کو دیکھ کر تکبر کی وجہ سے کہنے لگے کہ اگر آسمان بھی ہمارے ملک پر گرنا چاہے گا تو ہم اپنی سنگینوں کی نوک پر اسے رکھ لیں گے۔

فرنگی سامراج نے ہندوستان کی ساری دولت لوٹ لی:-

سرجان شور جس کا تعلق بنگال سول سروس سے تھا۔ قانون اور نظام انگریزی پر بحث کرتے ہوئے ۱۸۳۳ء میں کہتا ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کا عہدزریں گزر چکا ہے جو دولت کبھی اس کے پاس تھی اس کا جزواعظم بڑا حصہ ملک کے باہر کھینچ کر بھیجدیا گیا ہے اور اس کے قدرتی عمل اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کردیئے ہیں، جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت کو چند افراد کے فائدے کی خاطر قربان کردیا ہے۔ برطانیہ نے جو طرز حکومت قائم کی ہے، اس کے تحت ملک اور باشندگان ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے جارہے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان پرانے تاجروں پر جلدہی تباہی آگئی۔ انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کردیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

انگریزی لیٹروں نے ہندوستان کا نہ ختم ہونے والا خزانہ اپنے خونی ہاتھوں سے لوٹ کر انگلستان لے گیا۔ ہندوستان ابتداء ہی سے ایک زرخیز ملک تھا۔ اس کا سونا، چاندی اور دولت نہ ختم ہونے والی تھی۔ مشہور مورخ عبداللہ وصاف لکھتا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں اس وقت تک مشرق سے لیکر مغرب تک اور جنوب سے لیکر شمال تک برصغیر کے سوا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس میں باہر کے ملکوں سے سونا اور چاندی اور قیمتی سامان اور جنس آتی ہو اور اس کے بدلے میں کانٹے، جڑی بوٹی، سنگریزے اور مختلف قسم کی جڑیں باہر جاتی ہوں اور جہاں سے سامان کی خریداری کیلئے کسی ملک کو کبھی روپیہ نہ گیا ہو۔

فرنگی سامراج کے بڑھتے ہوئے مظالم کیوجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے برصغیر کو دارالحرب قرار دیدیا:-

۱۷۹۲ء میں انگریز جب ملک نے اکثر و بیشتر علاقوں پر قبضہ کرلیا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے برصغیر کو دارالحرب قرار دیا اور آپ انگریز کے بڑھتے ہوئے تسلط کو روکنے کیلئے ابھی ابتدائی مرحلے کی تکمیل ہی کر پائے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ پھر اس تحریک آزادی کو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے آگے بڑھایا۔ اور آزادی وطن کیلئے خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ ۱۹۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر خون میں نہاتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اسلام کے مایہ ناز فرزندوں کی شہادت کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علماء کرام نے قائدانہ کردار ادا کیا اور اپنے اپنے مقام پر بڑی دلیری و بہادری سے برطانوی حکومت کا مقابلہ کیا۔ مثال کے طور پر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تھانہ بھون اور شاملی کے علاقوں میں آزادی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ حریت کی اس جنگ میں شاملی کے میدان میں حافظ ضامن کو زیر ناف گولی لگی اور جام شہادت نوش کرگئے۔ حضرت گنگوہیؒ گرفتار کرگئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے۔ اس کے بعد آپؒ تین دن تک روپوش رہے۔ اس کے بعد باہر نکل آئے۔ لوگوں نے پوچھا اس کا کیا مطلب؟ آپ نے فرمایا: محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی غار حرا میں تین دن ہی رہے تھے۔ غرض یہ کہ علماء کرام نے ہر موڑ پر انگریزوں کا تعاقب کیا اور ہر مقام پر ان کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اگرچہ غیر منظم اور وقت مقررہ سے پہلے شروع ہوجانے کیوجہ سے دوررس نتائج کی حامل نہ تھی۔ تاہم اندرون ہند مجاہدین آزادی نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شاہ اسحقؒ کی خاص ہدایت پر حاجی امداد اللہ

مہاجر مکیؒ حجاز سے واپسی پر ہندوستان تشریف لے آئے تھانہ بھون علماء مجاہدین کا ہیڈکوارٹر تھا۔ ہندوستان کے سیاسی حالات کا شریعت اسلامی کی رو سے مکمل جائزہ لیا گیا۔ زبردست بحث و تمحیص کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سرکردگی میں تھانہ بھون میں اسلامی حکومت قائم کردی گئی اور جہاد کی تیاری شروع ہوگئی۔ جس میں مندرجہ ذیل مرکزی عہدیدار تجویز ہوئے۔ امیر مجاہدین حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، سپہ سالار: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ قاضی القضاۃ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ دائیں بائیں بازو کے آفیسرز: مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور مولانا محمد ضامن شہیدؒ۔ ان افسروں کی سرکردگی میں مجاہدین کی فوج تربیت دی گئی۔ شاملی جو انگریزی فوج کی چھاونی تھی، اس پر حملہ کرکے اسے فتح کرلیا گیا۔ مجاہدین کی یہ فوج دہلی پر قبضہ کیلئے روانگی کی تیاری میں مصروف تھی کہ تقدیر کا فیصلہ سامنے آیا۔ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ شکست خوردہ انگریزی افواج فتح یاب ہونے لگیں، مجاہدین آزادی کو پے درپے شکستوں کا سامنا ہونے لگا۔ انگریزی افواج تھانہ بھون پر حملہ آور ہوئیں مگر شکست کھائی۔ دوبارہ کرنل ڈنلاپ کی سرکردگی میں انگریزی فوج نے حملہ کیا اور تھانہ بھون کو فتح کرلیا۔ قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا۔ تھانہ بھون کے بعد شاملی پر چڑھائی کی اور اسے بھی فتح کرکے تباہ وبرباد کردیا۔ تحریک آزادی کی جنگ ہاردی گئی مگر جوش جہاد کو دبایا نہ جاسکا۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا قیام اسی روح جہاد کو زندہ وتابندہ رکھنے کی غرض سے معرض وجود میں آئے۔ مہاجر مکیؒ مکہ معظمہ میں قیام پزیر ہوگئے اور وہاں بیٹھ کر آزادی ہند کی تحریک کی قیادت فرماتے رہے۔ (جاری ہے)

المرکز الاسلامی پاکستان

ملحقہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان درجہ عالمیہ

زیر تعلیم ۲۰۰۰ طلبہ وطالبات تا دورہ حدیث شریف زیر تربیت وکفالت ۵۰۰ یتیم بچے اور بچیاں پسماندہ علاقوں میں ۳۲ مساجد ۱۰۰ کنواں جات کی تعمیر علاقہ میں سینکڑوں غرباء و بیوگان بحالی اسکیم وامداد تعلیمی رفاہی سماجی اور اسلامی خدمات میں پیش پیش

زکواۃ، صدقات کا بہترین مصرف

اکاؤنٹ ۱۸۱۳ حبیب بینک لکی گیٹ بنوں فون :- ۱۱۰۳۲ فیکس ۴۳۳۲-۴۲۸

مہتمم المرکز الاسلامی ڈیرہ روڈ، پوسٹ بکس نمبر ۳۳ بنوں